بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

(سورۃ الفاتحۃ:1)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

تمہید:

قرآن کریم کی یہ سب سے پہلی آیت کریمہ ہے۔ "أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اس کا ترجمہ تو شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جس کو نہ آتا ہو اور اس کا مطلب میں یہ تو نہیں کہتا کہ شاید ہی کوئی مسلمان ہو جس کو آتا ہو لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ بہت کم کو آتا ہے۔ ایک ہے آیات کا "ترجمہ" اور ایک ہے آیات کا "مطلب"، آیات کا ترجمہ بھی سمجھنا چاہیے اور آیات کا مطلب بھی سمجھنا چاہیے۔ قرآن کریم کو پڑھنا بھی ضروری ہے لیکن قرآن کریم کو سمجھنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ ہم قرآن کریم کو پڑھتے بھی ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کریم کو سمجھیں بھی لیکن دو باتوں پر مجھے بے حد تعجب ہے۔ شاید آپ لوگ میرے اس تعجب کو دور فرما دیں۔ ابھی تک میرا یہ تعجب دور نہیں ہوا اور میں اپنے ہاں سرگودھا میں بھی، آپ کے ہاں کراچی میں بھی اور پاکستان سے باہر جاؤں تو وہاں بھی یہ سوال بار بار دہراتا ہوں کہ دو باتوں پر مجھے بہت تعجب ہے۔ جب آپ کو بات سمجھ میں آئے گی تو شاید

آپ کو بھی تعجب ہو گا یا مجھے سمجھ میں آئے گی تو میرا تعجب ختم ہو جائے گا۔

پہلا تعجب:

ایک تو اس بات پر مجھے تعجب ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے پڑھنا بھی ہے اور قرآن کریم کو ہم نے سمجھنا بھی ہے اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے لیکن دنیا میں آپ کو بہت زیادہ لوگ ایسے ملیں گے کہ جو قرآن کریم کو پڑھنے کے لئے آپ سے رابطہ کرتے ہیں اور ایسے لوگ آپ کو بہت کم ملیں گے جو قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے آپ سے رابطہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ساٹھ سال کے بوڑھے ہیں اور چھ سال کا آپ کا بچہ ہے، آپ کسی بھی مدرسے میں جائیں اور وہاں مدرسے کے مہتمم صاحب سے رابطہ کریں تو رابطہ کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ میں دین سے دور تھا، تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق جڑا ہے یا فلاں عالم کا بیان سنا ہے یا فلاں شیخ سے بیعت ہوا ہوں، اللہ نے زندگی بدل دی ہے تو مجھے اب شوق ہوا ہے کہ میں قرآن کریم پڑھ لوں۔ تو ساٹھ سال کی عمر میں کیا میں قرآن کریم پڑھ سکتا ہوں؟ کیا میرے پڑھنے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے؟ میرا بندوبست آپ کر سکتے ہیں؟ یہ آپ کسی مہتمم سے کہتے ہیں یا آپ کسی مدرسے میں جاتے ہیں کہ ہمارا بچہ ہے اور ہماری کچھ مجبوریاں ہیں، ہم اس کو مدرسے میں نہیں بھجوا سکتے تو کوئی قاری صاحب یا کوئی طالب علم آپ ہمارے گھر بھیج دیا کریں، ہم اس کو مہینہ کے بعد کچھ وظیفہ دے دیا کریں گے (جسے ہم ٹیوشن کہتے ہیں) اور وہ آ کر ہمارے بچے کو قرآن کریم پڑھا دیا کرے۔ میرے علم میں نہیں کہ کوئی بندہ یہ کہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے فلاں بندہ کی برکت سے دین کی سمجھ آئی ہے اور میں ساٹھ سال کا بوڑھا مدرسے میں آتا ہوں تو کیا میں بھی قرآن کریم "سمجھ" سکتا ہوں؟ کیا میرے "سمجھنے" کا انتظام ہو سکتا ہے؟ یا کوئی آپ طالب علم ہمارے گھر بھجوا دیا کریں جو ہمارے بچوں کو قرآن "سمجھا" دے، جو بھی رابطہ کرتا ہے وہ قرآن پڑھنے کے لئے

کرتا ہے، قرآن سمجھنے کے لئے نہیں کرتا۔ میں اپنی معلومات کی حد تک کہتا ہوں اور اس پر ہمیں بے حد تعجب ہوتا ہے کہ لوگ قرآن پڑھنے کی بات تو کرتے ہیں، قرآن سمجھنے کی بات نہیں کرتے حالانکہ قرآن کریم کو جس طرح پڑھنا ضروری ہے اس سے زیادہ قرآن کریم کو سمجھنا ضروری ہے۔ مجھے اس پر بہت تعجب ہوتا ہے شاید آپ کے ہاں کراچی میں ماحول اس سے الگ ہو تو یہ میرے علم میں نہیں ہے کہ کوئی قاری صاحب کسی کے گھر جاتے ہوں بچے کو قرآن سمجھانے کے لئے، ایسے تو کئی ملیں گے جو جاتے ہیں قرآن پڑھانے کے لئے لیکن ایسے جو قرآن سمجھانے کے لئے جاتے ہوں ہمارے علم میں نہیں ہیں۔

آپ نے اور میں نے ایسے کئی جلسے دیکھے ہیں اور ایسے کئی جلسوں میں بطور سامع بھی ہم جاتے ہیں اور بطورِ مقرر اور خطیب بھی جاتے ہیں کہ جس جلسے کا عنوان ہوتا ہے کہ اتنے بچوں نے ہمارے مدرسے میں قرآن پڑھا ہے اور ان کی دستار بندی ہے، اَسناد تقسیم ہوں گی، انعامات دیے جائیں گے، ابھی تک میرے علم میں پوری دنیا میں ایسا کوئی جلسہ نہیں ہے کہ جہاں پر ہمیں کسی نے بلایا ہو کہ ہمارے پاس دو بچے ہیں جنہوں نے قرآن سمجھا ہے آپ ان کی دستار بندی کر دیں، میرے علم میں یہ نہیں ہے، آپ کے علم میں ہو تو شاید ہو لیکن میرے علم میں نہیں ہے۔ تو ہمارے ہاں جلسے کس بات کے ہوتے ہیں کہ دس بچوں نے قرآن پڑھ لیا ہے یا دو بچوں نے قرآن سمجھ لیا ہے؟ بتاؤ! پڑھ لیا ہے یا سمجھ لیا ہے؟ [پڑھ لیا ہے۔ سامعین] تو ان جلسوں میں پڑھنے کی بات ہو رہی ہے سمجھنے کی بات نہیں ہو رہی، حالانکہ قرآن کریم کو پڑھنا بھی چاہیے اور سمجھنا بھی چاہیے۔ تو اس پر ہمارے ہاں بات کیوں نہیں چلتی کہ قرآن کریم کو سمجھنا بھی ہے۔ اس بات کو نہ چلانے کا نقصان کیا ہوتا ہے یہ میں آپ کو بعد میں عرض کروں گا۔

دوسرا تعجب:

دوسری بات جس پر مجھے بے حد تعجب ہے وہ یہ ہے اگر کسی شخص نے جس کی عمر ساٹھ سال ہو یا کسی کا چھ سال کا بچہ ہو اگر اس نے قرآن کریم پڑھنا ہو تو جہاں تک میرا علم ہے، جہاں تک میری معلومات ہیں اور جہاں تک میں نے دیکھا ہے کہ بندے نے خود قرآن پڑھنا ہو یا اپنے بچے کو قرآن پڑھانا ہو تو وہ کسی مسجد یا مدرسے سے رابطہ کرتا ہے کہ ہم نے قرآن پڑھنا ہے، آپ لوگ مسجد میں آئیں گے یا مدرسے میں آئیں گے یا یہ کہیں گے کہ قاری صاحب یا کسی طالب علم کو ہمارے گھر بھیج دیں قرآن پڑھنا ہے، میں نے ابھی تک ایسا کوئی بندہ نہیں دیکھا کہ جس نے اپنے بچے کو قرآن پڑھانا ہو، پھر وہ اسکول گیا ہو کہ ہیڈ ماسٹر صاحب! ہمارا بچہ قرآن پڑھنا چاہتا ہے، اس کے قرآن پڑھنے کا انتظام کر دیں یا کوئی بندہ کالج گیا ہو اور کالج جا کر پرنسپل صاحب سے بات کی ہو کہ ہمارا بچہ قرآن پڑھنا چاہتا ہے، کسی پروفیسر کا انتظام کر دیں جو ہمارے بچے کو قرآن پڑھائے، کوئی بندہ کسی یونیورسٹی میں گیا ہو اور وائس چانسلر سے بات کی ہو کہ کسی پی ایچ ڈی ڈاکٹر کے ذمہ لگا دیں کہ ہمارے بچہ کو قرآن پڑھا دے۔ میرے علم میں ایسا نہیں ہے، آپ کے علم میں ہے؟ [نہیں۔ سامعین] دیکھو! میری رعایت نہیں کرنی، بات صاف صاف کہنی ہے تا کہ ہم بات سمجھ سکیں اور سمجھا سکیں۔

☼ جب بھی کسی بندہ نے خود قرآن پڑھنا ہو یا اس کے بچہ نے پڑھنا ہو تو رابطہ کہاں کرتے ہیں؟ [مسجد یا مدرسے میں۔ سامعین]

☼ اسکول جاتے ہیں قرآن پڑھنے کے لئے؟ [نہیں۔ سامعین]

☼ کالج میں جاتے ہیں؟ [نہیں۔ سامعین]

☼ یونیورسٹی میں جاتے ہیں؟ [نہیں۔ سامعین]

اچھا! اور جب قرآن سمجھنا ہو پھر کہاں جاتے ہیں!! پھر مسجد، مدرسے میں نہیں آتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ جی! ”ہمارے محلہ میں ایک ڈاکٹر صاحب ہیں وہ درسِ قرآن دیتے ہیں میں اس میں شریک ہوتا ہوں“ ایسے ہی ہے نا؟! کہتے ہیں کہ ہمارے محلہ میں ایک ڈاکٹر صاحبہ ہیں، وہ قرآن کا درس دیتی ہیں اور ہم اس درس میں شریک ہوتے ہیں۔ جب قرآن سمجھنا ہو تو کبھی ”فرحت ہاشمی“ ہے، کبھی ”جاوید غامدی“ ہے، کبھی ”عامر لیاقت“ ہے، کبھی ”ذاکر نائک“ ہے اور کبھی کوئی ہے، جب پڑھنا ہو تو مسجد و مدرسہ اور جب سمجھنا ہو تو پھر پروفیسر اور ڈاکٹر!! مجھے اس پر بے حد تعجب ہوتا ہے کہ یا ہم سمجھدار نہیں ہیں یا یہ لوگ ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی۔

پڑھ نہیں سکتے تو خیر ہے، بس سمجھا دیں:

اب مجھے آپ بتائیں کہ میں آپ کے ہاں کراچی میں آیا ہوں اور کوئی شخص آپ میں سے مجھے کہے کہ مولانا صاحب! یہ میرا موبائل ہے اور اس میں انگلش میں میسج آیا ہے امریکہ سے، میرا بیٹا ہے اس نے انگلش میں میسج کیا ہے، مجھے آپ ذرا میسج سمجھا دیں! میں کہتا ہوں کہ میں انگلش نہیں پڑھ سکتا، آپ کہتے ہیں کہ مولانا صاحب! ہمیں پتا ہے کہ آپ انگلش نہیں پڑھ سکتے ہیں لیکن آپ ہمیں انگلش سمجھا دیں، ہم جانتے ہیں کہ آپ انگلش نہیں پڑھ سکتے لیکن آپ ہمیں انگلش سمجھا دیں۔ بتاؤ یہ تعجب ہے کہ نہیں؟! اور یہی حال ہماری قوم کا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر ذاکر نائک قرآن تجوید سے نہیں پڑھ سکتا، ہم سمجھتے ہیں غامدی قرآن نہیں پڑھ سکتا لیکن ہم کون سا پڑھنے کے لئے گئے ہیں ہم تو سمجھنے کے لئے گئے ہیں۔ میں انگلش نہیں پڑھ سکتا تو مجھ سے سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور جو قرآن نہیں پڑھ سکتا اس سے سمجھنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو پہلے انگلش پڑھنا ہے پھر انگلش کو سمجھنا ہے، اسی طرح قرآن کو پہلے

پڑھنا ہے پھر قرآن کو سمجھنا ہے۔

قرآن سکھانا علماء کی ذمہ داری:

یہ دو باتیں ہیں جن پر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ آپ چونکہ شہری ہیں اور ہم دیہاتی ہیں، ہمیں اپنے اشکال اور اپنی الجھنیں آپ کے سامنے رکھنی پڑتی ہیں کہ بھائی! ہماری یہ الجھن دور کرو، ہماری یہ پریشانی دور کرو۔ اس طرزِ عمل کا نتیجہ کیا نکلتا ہے میں وہ عرض کر رہا ہوں۔ چونکہ ہماری اس مجلس میں زیادہ تر لوگ وہ ہیں جو دین کو سمجھتے ہیں، دین سے محبت کرتے ہیں، دین سے جڑے ہوئے ہیں اور بہت سارے علماء بھی اس مجلس کے اندر ہیں اور بہت سارے طلباء بھی ہیں۔ اس لیے میں یہ بات کہہ رہا ہوں تاکہ آپ کے اندر فکر پیدا ہو۔ اس طرز کا نقصان اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کریم پر چونکہ ہم نے سمجھانے کی محنت نہیں کی، ہم نے دروس القرآن کے حلقے منعقد نہیں کیے، ہم نے قرآن کریم کو بیان کرنا چھوڑ دیا ہے تو لوگوں نے ہم سے قرآن سمجھنا چھوڑ دیا ہے، اب ایک عام ذہن بن گیا ہے کہ جتنی اچھی زبان ڈاکٹر صاحب کی ہے، جتنی عمدہ زبان پروفیسر صاحب کی ہے اور جتنی سنجیدہ زبان ایک "پی ایچ ڈی" ڈاکٹر کی ہوتی ہے اتنی اچھی زبان کسی عالم کی نہیں ہوتی، اِن کا لہجہ بڑا مہذب ہے، بات بڑی سنجیدہ کرتے ہیں اس لئے لوگ ان سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے قرآن کریم کو سمجھانا چھوڑ دیا ہے، قرآن پر بات کرنا چھوڑ دی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے امت کو گمراہ کیا اور قرآن کا نام لے کر گمراہ کیا۔ جب قرآن کا صحیح مطلب سامنے نہیں جائے گا تو پھر لوگ قرآن کا غلط مطلب بیان کریں گے اور لوگ اس غلط کو صحیح سمجھ کر قبول کریں گے اور آپ کے لئے بات کو سمجھانا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اب قرآن کریم کو بیان کیا جا رہا ہے اور قرآن کریم کو سمجھایا جا رہا ہے لیکن غلط طرز اختیار کیا جا رہا ہے۔

درسِ قرآن کی اہمیت:

میں آج کی مجلس میں اس عنوان پر صرف دو مواقع قرآن کریم کے پیش کرتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں بات آئے کہ اگر ہم قرآن نہ سمجھائیں تو نقصان کیا ہوتا ہے؟ ہم قرآن کی بات نہ کریں تو نقصان کیا ہوتا ہے؟ اس لئے میں اکثر اپنے حضرات سے کہتا ہوں کہ آپ جب مجھ سے رابطہ کریں اور مجھے بلائیں تو بڑی کانفرنس کرنے کے بجائے "درس قرآن" رکھ دیں تاکہ ہم قرآن بیان کریں اور لوگوں کے سامنے قرآن کا اصل مسئلہ آجائے، لوگ سمجھیں کہ بھائی ان کے پاس قرآنی دلائل ہیں اور یہ بات قرآن سے کرتے ہیں۔ ہمارے بارے میں یہ غلط مشہور کر دیا گیا ہے اور مشہور کیا نہیں گیا بلکہ ہم نے خود مشہور کیا ہے کہ ہمارے ساتھ اکابر ہیں، ہمارے ساتھ بزرگ ہیں، ہمارے ساتھ بڑے بڑے علماء ہیں اور وہ (قرآن مجید کی غلط تشریح کرنے والے لوگ) کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ قرآن ہے، ہمارے ساتھ حدیث ہے، ہم قرآن حدیث کی بات کرتے ہیں اور یہ لوگ اکابر کی بات کرتے ہیں۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ کی اہمیت:

میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ بات عوام کو سمجھاؤ کہ ہمارے پاس قرآن بھی ہے، ہمارے پاس حدیث بھی ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھانے والے اکابر اور بزرگ بھی ہیں۔ ان کے پاس قرآن و حدیث ہے لیکن سمجھانے والے بزرگ نہیں ہیں اس لئے وہ قرآن مجید کا غلط مطلب بیان کرتے ہیں اور ہم خود بیان نہیں کرتے بلکہ اکابر کے صحیح مطلب کو امت کے سامنے پیش کرتے ہیں، ایسا نہیں کہ ہمارے پاس قرآن وحدیث نہیں ہے، ہمارے پاس قرآن بھی ہے، حدیث بھی ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھانے والے اکابر اور بزرگ بھی ہیں۔ اس کو ہم سمجھانے کے لئے کہتے ہیں کہ ایک

ہوتی ہے ”کتاب اللہ“ اور ایک ہوتے ہیں ”رجال اللہ“۔ جس طرح ”کتاب اللہ“ کا ہونا ضروری ہے اسی طرح کتاب اللہ کو سمجھانے کے لئے ”رجال اللہ“ کا ہونا بھی ضروری ہے، صرف ”کتاب اللہ“ کافی نہیں ہے بلکہ ”رجال اللہ“ بھی ضروری ہیں۔ اس پر میں آج کی مجلس میں قرآن کریم کی دو آیتیں پیش کرتا ہوں تاکہ بات آپ کی سمجھ میں آجائے۔

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور انکارِ غامدی:

پوری دنیا کے اہل السنت والجماعت کا یہ اتفاقی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے، قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی فرمائیں گے، آپ کے ہاں اولاد بھی ہوگی، خلافت کا نظام بھی قائم فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اب ہمارے دور میں ایک شخص ہے جس کا نام ہے ”جاوید احمد غامدی“، اور ہمارے بہت سارے لوگ اس سے بلاوجہ متاثر ہوتے پھرتے ہیں۔ اس شخص نے ایک نظریہ پیش کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے آسمان پر زندہ نہیں اٹھایا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے موت آئی ہے اور اس موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا ہے۔ اب اس نظریہ پر وہ قرآن کریم پیش کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے موت آئی ہے اور موت کے بعد اللہ نے آپ کو اٹھالیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ . (سورۃ ال عمران:55)

اللہ رب العزت نے فرمایا اے عیسیٰ!

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ .

میں آپ کو وفات دوں گا۔

وَرَافِعُكَ إِلَيَّ .

اور آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا۔

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا .

اور جو کافر لوگ ہیں ان سے آپ کو پاک رکھوں گا یعنی ان کو آپ تک پہنچنے نہیں دوں گا۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَة .

اور آپ کے ماننے والوں کو قیامت تک کے لئے میں غلبہ دوں گا۔

اب قرآن کریم نے یہ بات فرمائی ہے "يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ" کہ اے عیسیٰ! میں آپ کو وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا۔ تو پہلے اللہ نے وفات کی بات کی ہے پھر اٹھانے کی۔

غامدی کی باطل تاویل:

میں ابھی ان کی (غامدی صاحب کی) تقریر نقل کر رہا ہوں کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں آپ کو وفات دوں گا اور اٹھالوں گا اور غامدی صاحب کہتے ہیں کہ نبی پر موت آنا یہ نبی میں کوئی عیب تو نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر موت آئی ہے، حضرت نوح علیہ السلام پر موت آئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر موت آئی ہے حتیٰ کہ ہمارے آخری نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی موت آئی ہے۔ تو موت آنا کوئی عیب تھوڑی ہے، پیغمبر پر موت آگئی تو پھر کیا ہوا؟! اور یہ جو آپ کہتے ہیں "وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ" وہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے قتل بھی نہیں کیا، عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر بھی نہیں لٹکایا بلکہ اللہ نے ان سے بچالیا ہے، اللہ نے طبعی موت دی ہے جیسے عام بندے پر موت آتی ہے اور موت دینے کے بعد پھر اللہ نے آسمان پر اٹھالیا ہے اور قرآن کہہ رہا ہے: "إِنِّي مُتَوَفِّيكَ

وَرَافِعُكَ" کہ میں آپ کو موت دوں گا اور اٹھالوں گا۔ تو پہلے قرآن "موت" کی بات کرتا ہے پھر قرآن "اٹھانے" کی بات کرتا ہے۔ غامدی صاحب کہتے ہیں کہ میں قرآن کے مطابق بات کرتا ہوں کہ پہلے موت دی ہے پھر اللہ نے اٹھالیا ہے، اور اس میں نبی کی کوئی توہین نہیں ہے، اس میں نبی کی کون سی توہین ہے؟ اس لیے یہ جو مولوی کہتا ہے کہ ان پر موت نہیں آئی بلکہ زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے وہ صحیح نہیں کہتا، اور یہ ساری حدیثیں جن میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا ہے یہ قرآن کریم کے خلاف ہیں اور اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو تو حدیث کو چھوڑدیتے ہیں قرآن کو نہیں چھوڑتے۔ اب بتاؤ کہ ذہن بن رہا ہے یا نہیں بن رہا؟ [بن رہا ہے۔ سامعین] اور اگر یہ تقریر کرکے میں یہاں تک چھوڑدوں تو آپ میں سے کئی لوگ اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ مولانا صاحب نے بات دلیل سے کی ہے۔ اب آپ کے لوگ کہیں گے کہ بھائی! ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو یہ لوگ کہیں گے کہ ہم اکابر کی بات مانیں یا قرآن کی مانیں؟ قرآن کہہ رہا ہے کہ وفات دوں گا اور پھر اٹھاؤں گا اور اکابر کہتے ہیں کہ وفات نہیں دی۔ تو ہم قرآن کے پابند ہیں اکابر کے پابند تو نہیں ہیں! اسی لیے میں کہتا ہوں کہ لوگوں کا ذہن یوں بنتا ہے اور امت کا عقیدہ خراب ہوتا ہے۔

شانِ نزول کی اہمیت:

میں کہتا ہوں کہ بات سمجھیں! قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے جہاں اور چیزیں ضروری ہیں ان میں سے ایک چیز ہے کسی بھی آیت کا پس منظر اور Background سمجھنا۔ کیا سمجھنا؟ [پس منظر اور Background ۔ سامعین] "پسِ منظر" کا لفظ ہمارے لئے ہے اور "Background" کا لفظ آپ کے لئے ہے۔ یہ لفظ نہ بولیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ یہ درمیان میں جب تک

انگریزی نہ بولیں تو کہتے ہیں پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آیت کا پس منظر بھی معلوم ہو کہ اللہ نے یہ بات کس تناظر میں فرمائی ہے، یہ بات کس پسِ منظر میں فرمائی ہے اور اس کا Background کیا ہے؟ یہ جملہ خدا نے کیوں فرمایا ہے؟

پہلے تسلی، پھر حفاظت:

اب اس آیت کا Background سمجھنے کے لئے ایک مثال سمجھ لیں۔ میں آپ کے ہاں کراچی شہر آیا ہوں، الحمد للہ میں گورنمنٹ کو بالکل مطلوب نہیں ہوں، میرے اوپر کوئی کیس نہیں ہے، کسی کالعدم جماعت سے میرا تعلق نہیں ہے، دہشتگردی اور فرقہ وارانہ کسی کارروائی کے اندر میں ملوث نہیں ہوں- یہ میں پہلے اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ پر کہیں خوف طاری نہ ہو جائے- میں نے چونکہ مثال دینی ہے اس لیے پہلے وضاحت کر دی ہے تاکہ اس پر آپ پریشان نہ ہوں، میں صرف سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں کہ میرا آج یہاں کراچی تقویٰ مسجد میں بیان ہے، مولانا (جاوید صاحب) نے مجھ سے وقت لے لیا، میں نے بیان کے لئے ہاں کر دی، بیان طے ہو گیا۔ اب میرے لئے مسئلہ یہ بنا کہ مجھے یہاں کی سی آئی ڈی اور پولیس والوں نے کہا کہ مولانا صاحب! اگر آپ آئیں گے تو ہم آپ کو گرفتار کرلیں گے، آپ نے یہاں نہیں آنا تو میں نے مولانا کو فون کر دیا کہ مولانا! میں آپ کی مسجد میں بیان کے لئے کیوں نہیں آسکتا؟ کیا میری گرفتاری کے آرڈر ہیں؟ اگر آرڈر ہیں تو میں نہیں آسکتا، میرے یہ آرڈر ختم کروائیں۔ مجھے آپ لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ مولانا صاحب! آپ اس بات کی فکر نہ کریں، ہم آپ کے میزبان بنے ہیں، ہم نے آپ کو دعوت دی ہے، ان شاء اللہ ہم آپ کو گرفتار نہیں ہونے دیں گے، ہم آپ کی حفاظت کریں گے، یہ ہمارے ذمہ ہے آپ اس کی فکر نہ کریں۔ تو میں نے کہا تھا کہ میں نہیں آتا، کیونکہ

میرے گرفتاری کے آرڈر ہیں، میں آیا تو گرفتار ہو جاؤں گا۔ آپ نے میرے جواب میں کہا کہ مولانا صاحب آپ فکر نہ کریں، یہ ہماری ذمہ داری ہے، ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا، ہم آپ کو سرگودھا سے لیں گے اور واپس سرگودھا تک پہنچائیں گے، یہ ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ بھائی! بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن ایک بات ذرا سمجھیں، میں نے آپ کی تقویٰ مسجد دیکھی ہے، آپ کی مسجد کا جو گیٹ ہے یہیں سے میں نے باہر نکلنا ہے لیکن یہاں تو باہر پولیس کھڑی ہوئی ہے، آپ مجھے کیسے ان سے بچاؤ گے؟ تو آپ مجھے فوراً کہتے ہیں کہ "مولانا صاحب! یہ جو مسجد کا محراب ہے نا، اس کے پیچھے چھوٹا سا یہ دروازہ دیکھیں! ہم آپ کو یہاں سے بحفاظت نکال لیں گے" آپ نے مجھے یہ کیوں کہا؟ اس لیے کہ اب آپ نے مجھے بچانے کی صورت بتائی ہے کہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ہم آپ کو یہاں سے بحفاظت نکال لیں گے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم آپ کو اس دروازہ سے باہر نکال لیں گے، ادھر پولیس نہیں ہے۔ اب مجھے تسلی ہو گئی ہے کہ مسئلہ کوئی نہیں ہے۔

آیت کی صحیح تشریح و تفسیر:

اب توجہ رکھنا! حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اللہ کی توحید اور اپنی نبوت کی بات فرما رہے تھے تو یہودیوں نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم ان کو مار دیں گے، عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور انسان ہیں۔ تو اپنے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا ہر بندہ کے ذمہ ہے نا! جب یہودیوں نے یہ بات کی ہے کہ ہم مار دیں گے، ہم قتل کر دیں گے، زندہ نہیں چھوڑیں گے، تو اللہ رب العزت نے عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی ہے اور فرمایا:

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ .

عیسیٰ! یہ لوگ تجھے نہیں مار سکتے، موت تو میرے ہاتھ میں ہے۔

کیا فرمایا؟ یہ نہیں مار سکتے، موت میرے ہاتھ میں ہے، یہ کیسے ماریں گے تجھے؟! حیات اور موت کا مالک میں ہوں، یہ نہیں مار سکتے۔

یا اللہ! مجھے آپ کے وعدہ پر پورا یقین ہے کہ موت آپ کے اختیار میں ہے اور آپ میری حفاظت فرمائیں گے، مجھے اس پر پورا یقین ہے لیکن میں کمرے میں بند ہوں اور چاروں طرف یہودیوں کی جماعت کھڑی ہے تو اللہ مجھے آپ بچائیں گے کیسے؟ فرمایا: رَافِعُكَ إِلَيَّ .

ہم اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

اب آپ بتاؤ کہ پہلے "إِنِّي مُتَوَفِّيكَ" کہنا چاہیے یا پہلے "رَافِعُكَ" کہنا چاہیے؟ [إِنِّي مُتَوَفِّيكَ۔ سامعین] غامدی صاحب کو دھوکہ کہاں سے لگا؟ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ "إِنِّي مُتَوَفِّيكَ" پہلے ہے لہذا "وفات" پہلے ہے، "رَافِعُكَ" بعد میں ہے لہذا "اٹھانا" بعد میں ہے۔ ہم نے کہا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا پہلے ہے اور موت ان کو بعد میں یعنی قیامت سے پہلے دیں گے۔ باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے "مُتَوَفِّيكَ" کو پہلے کیوں ذکر فرمایا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ "مُتَوَفِّيكَ" کہہ کر اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی ہے اور "رَافِعُكَ إِلَيَّ" کہہ کر اس کی صورت بتائی ہے کہ اے عیسیٰ! ہم آپ کی حفاظت کریں گے، ہم آپ کو بچائیں گے، کوئی بندہ آپ کو مار نہیں سکتا، موت ہمارے اختیار میں ہے۔ یا اللہ! آپ مجھے بچائیں گے کیسے؟ تو فرمایا: "رَافِعُكَ إِلَيَّ" کہ ہم آپ کو اوپر اٹھا لیتے ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ قرآن ہمارے ساتھ ہے، غامدی کے ساتھ نہیں ہے۔

عصرِ حاضر کے ذرائع ابلاغ کی ضرورت:

یہ آیت آپ کو کب سمجھ میں آئی؟ ابھی جب آپ نے یہ آیت سمجھی ہے اور اگر ہم یہ سمجھانا چھوڑ دیں... بلکہ میں اس سے اگلی بات کہنے لگا ہوں کہ سمجھا کر اور

ویڈیو بنا کر نیٹ (Net) پہ لانا چھوڑ دیں تو بتاؤ اس قسم کے نام نہاد اسکالر امت کو غلط راستے پر لگائیں گے یا نہیں؟ [لگائیں گے۔ سامعین] اب جو میں نے یہ آیت سمجھائی ہے چلو آپ تقویٰ مسجد والے تو سمجھ جائیں گے لیکن امریکہ، کینیڈا اور انگلینڈ والے کیسے سمجھیں گے؟ جاوید غامدی کا جلسہ آپ کے نشتر پارک میں نہیں ہوتا، اس کا بیان دس بندوں کے اندر بند کمرے میں ہوتا ہے اور لوگ سنتے کیسے ہیں؟ اس کی ویڈیو جاتی ہے لوگ دیکھ لیتے ہیں اور جب ہم اس کا مقابلہ کریں گے تو پھر تقویٰ مسجد کا بیان ویڈیو ریکارڈ کر کے نیٹ (Net) پہ دینا چاہیے نا؟! تاکہ لوگ اس کی دلیل بھی دیکھیں اور ساتھ ہمارا جواب بھی دیکھیں، اب لوگ بدل جائیں گے۔ اب جن کو پوری جنگ کا نہیں پتہ تو وہ فرما دیتے ہیں کہ اس ویڈیو کی کیا ضرورت ہے؟ میں کہتا ہوں کہ تم جنگ لڑو تو تمہیں ضرورت کا پتہ ہونا!! جب آپ نے جنگ لڑنی ہی نہیں ہے تو واقعی پھر آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ اور میں سمجھتا ہوں کہ جب آپ کے دل میں ایمان کی قیمت آئے گی تو پھر ضرورت بھی محسوس ہو گی! جب ایمان کی قیمت کا اندازہ نہیں تو پھر ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ہم بھی سمجھتے ہیں اس (ویڈیو) کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن جب ایمان کی قیمت محسوس ہو گی تو پھر ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ ہمارا صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں بلکہ ہم ان شاء اللہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کریں گے... ان شاءاللہ... اور اس کے لئے جو اسباب اختیار کر سکتے ہیں وہ ہم کریں گے ان شاءاللہ، جتنی ہمارے پاس وسعت ہے، جتنی مالی طاقت ہے، جتنی گنجائش ہے وہ ہم استعمال کرتے ہیں، مالی وسعت بڑھتی جائے گی تو ہم بھی اپنا دائرہ بڑھاتے جائیں گے ان شاءاللہ، جتنی وسعت ہے اتنی ہم ضرور کریں گے ان شاءاللہ۔

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام:

ایک آیت آپ کی سمجھ میں آ گئی؟ [جی ہاں۔ سامعین] اب ذرا توجہ رکھنا!

اب میں ایک اور مقام پڑھنے لگا ہوں تاکہ وہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آئے۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں۔

منکرینِ عقیدہ حیاۃ الانبیاء ہمارے نہیں:

اب مجھے ایک اور بات پہ تعجب ہو رہا ہے، آپ بھی کہیں گے کہ مولانا صاحب کو تعجب بہت ہوتا ہے! سنیں کہ تعجب کس پہ ہو رہا ہے؟ میں نے پہلے عقیدہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام بیان کیا تو آپ کے مجمع میں سے کوئی ہنسا نہیں ہے اور جب میں نے بیان کیا کہ "انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں" تو کئی حضرات ہنسنا شروع ہو گئے- میں دیکھ رہا ہوں- یہ ہنسے کیوں؟ لوگ کہتے ہیں: یار! یہ اس نے کیا شروع کر دیا ہے؟ یعنی وہ متفقہ عقیدہ تھا تو اس کے بیان کرنے پہ تعجب نہیں ہو رہا ہے اور یہ متفقہ عقیدہ ہے تو اس کے بیان کرنے پر تعجب ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کرتے ہیں آپ ان کے بارے میں تو سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے نہیں ہیں اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی قبر والی حیات کا انکار کرتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے ہیں۔ جب آپ کا ذہن بنے گا کہ یہ لوگ بھی ہمارے نہیں ہیں، پھر آپ کو تعجب نہیں ہو گا بلکہ آپ کو خوشی ہو گی کہ اچھا ہوا کہ مولانا صاحب نے یہ بھی بیان کیا ہے۔ جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی قبر میں حیات کا انکار کریں وہ ہمارے ہیں یا نہیں؟ [نہیں۔ سامعین] بولو! [نہیں۔ سامعین] آپ سارے نہیں کہہ رہے کہ "نہیں"، شک پڑا ہوا ہے؟ ہمیں تمہارے شک سے کچھ نہیں ہونا، نہ ہم نے تم سے متاثر ہونا ہے، نہ تم سے پوچھ پوچھ کر ہم نے عقیدہ بیان کرنا ہے۔

عقیدہ حیاۃ الانبیاء کی دلیل:

میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا عقید ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور

مبارکہ میں زندہ ہیں۔ اب قرآن کریم کی آیت ہے:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتًا .

[ایک صاحب نے بیان میں ادھر ادھر دیکھا تو حضرت نے ارشاد فرمایا]

آپ مجھے دیکھو نا! اب آپ نے ادھر دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ ہم نے پورے بیان میں کرتے ہی رہنا ہے۔ یہ ہماری صرف نظریاتی گفتگو نہیں ہے بلکہ خانقاہی بیان بھی ہے۔ خانقاہ میں شیخ اپنے مریدین کی اصلاح کرتے ہیں یا نہیں؟ [کرتے ہیں۔ سامعین] ہم نے کرنی ہے جو ہمارے پاس آئے وہ ذہن میں رکھے۔

شیخ وہ بنے جو اصلاح کر سکے:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پیر و مرشد اور شیخ وہی بن سکتا ہے جو کان بھی مروڑ سکتا ہو، جس میں کان مروڑنے کی طاقت نہ ہو وہ پیر و مرشد اور شیخ نہیں بن سکتا اور جو اپنا کان پیش نہ کر سکے وہ مرید بھی نہ ہو۔

خیر میں یہ سمجھا رہا تھا کہ ہمارا عقیدہ ہے؛ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اب ہم قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتًا بَلۡ أَحۡيَاءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ .

جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہو گئے ہیں ان کو تم نے مردہ گمان نہیں کرنا "بَلۡ أَحۡيَاءٌ" بلکہ وہ زندہ ہیں، "عِنۡدَ رَبِّهِمۡ" اپنے اللہ کے پاس، "يُرۡزَقُونَ" ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

عقیدہ حیاۃ الانبیاء پر ایک دلچسپ گفتگو:

یہ ہمارا عقیدہ ہے، ہم نے آیت پیش کر دی ہے۔ اب سمجھنا کہ اس پر دھوکہ کیسے دیا جاتا ہے؟! آپ کو تعجب ہوگا کہ لوگ قرآن کے ذریعے گمراہ کیسے

کر رہے ہیں امت کو؟! میں سرگودھا اپنے ہاں ”مرکز اہل السنت والجماعت“ میں بیٹھا تھا عید کے دنوں میں، غالباً عید کا دن تھا یا دوسرا دن تھا، منڈی بہاء الدین سے ایک عالم جو مجھ سے بیعت ہیں مولانا محمد حارث وہ ملنے کے لئے آئے، ان کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے جو عقیدتاً ہمارے نہیں تھے، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل نہیں تھے، معتزلی تھے اور مماتی تھے، وہ ملنے کے لئے آئے۔ انہوں نے کچھ سوال شروع کئے۔ ان میں سے ایک صاحب مجھے کہنے لگے کہ مولانا صاحب! ہم نے ایک بات پوچھنی ہے۔ میں نے کہا: پوچھیں۔ کہنے لگے: یہ جو آپ لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں اور آپ اس پر دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتًا بَلۡ أَحۡيَاءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ.

کہ جب شہداء زندہ ہیں تو نبی شہید سے بڑھ کے زندہ ہے۔ وہ مماتی مجھے کہنے لگا کہ یہی آیت جسے آپ لوگ بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں یہ آیت آپ کی دلیل نہیں بلکہ یہ آیت ہماری دلیل ہے۔ کہنے لگا: ہم بھی انبیاء کی حیات کے قائل ہیں اور آپ بھی انبیاء کی حیات کے قائل ہیں، فرق کیا ہے؟ آپ کہتے ہیں: نبی وہاں زندہ ہے جہاں بزرگ کہتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ نبی وہاں زندہ ہے جہاں اللہ کا قرآن کہتا ہے- آپ توجہ رکھیں! آپ کے پاؤں سے زمین نکلے گی کہ امت کو گمراہ کیسے کیا جاتا ہے- وہ کیا کہنے لگا: ہم کہتے ہیں کہ انبیاء وہاں زندہ ہیں جہاں اللہ کا قرآن کہتا ہے اور یہ حیاتی کہتے ہیں کہ نبی اور شہید وہاں زندہ ہیں جہاں بزرگ کہتے ہیں، مطلب کہ یہ کہتے ہیں قبروں میں زندہ ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس ”علیین“ میں زندہ ہیں، قرآن نے ”أَحۡيَاءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ“ فرمایا ہے، ”فی قبورھم“ نہیں فرمایا۔

ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ انبیاء اور شہداء کہاں زندہ ہیں؟ [قبروں میں۔ سامعین]

اور قرآن کیا کہہ رہا ہے؟ “عِنۡدَ رَبِّهِمۡ” کہ اللہ کے پاس زندہ ہیں۔ اب مماتی کہنے لگا کہ یہ آیت حیات فی القبر کی دلیل کیسے ہے؟ آیت تو ہمارے حق میں ہے کہ ہم کہتے ہیں: وہ اللہ کے پاس ہیں، “علیین” میں ہیں اور یہ حیاتی کہتے ہیں: نہیں! قبروں میں ہیں۔ تو قرآن کہتا ہے “عِنۡدَ رَبِّهِمۡ” اور یہ کہتے ہیں “فی قبورهم”۔ تو یہ زندہ وہاں مانتے ہیں جہاں ان کے بزرگ کہتے ہیں اور ہم زندہ وہاں مانتے ہیں جہاں اللہ کا قرآن کہتا ہے۔ اب بتاؤ! بندے کا ذہن ایسی باتیں سن کر کیا بنتا ہے؟!

اہلِ باطل کی محنت:

بندے نے آٹھ سال ہمارے پاس پڑھا ہوتا ہے، ان کے ہاں ایک دورہ تفسیر پڑھتے ہیں اور نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ بندہ پھسل جاتا ہے، وجہ؟ کہ جی! قرآن ان کے ساتھ ہے، قرآن ان کے ساتھ ہے۔ میری بعض باتیں آپ کو عجیب تر لگتی ہیں اور میرا رونا ابھی تمہیں سمجھ نہیں آرہا۔ ابھی گزشتہ ماہ میں کئی ملکوں کے دورے پر تھا، اس میں ملائیشیا بھی گیا، پتا ہے وہاں فتنہ پھیلانے والا کہاں کا بندہ ہے؟ ہمارے ہی مدرسوں کا فاضل ہے۔ اب بتاؤ! مدارس ہمارے ہیں، عقائد ہمارے ہیں، اکابر ہمارے ہیں، لیکن یہ فتنہ کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دورہ حدیث ہمارے مدرسوں میں کیا، دورہ تفسیر ان (مماتیوں) کے پاس جاکر کیا اور دس سال کی اس محنت پر ایک دورہ نے پانی پھیر دیا، اب وہاں وہ ملائیشیا میں درسِ قرآن کے نام پہ ہمارے عقیدے کا انکار کر کے تبلیغی جماعت کی دھجیاں اڑا رہا ہے، تبلیغ والے محنت کر کے بندے لاتے ہیں اور وہ تبلیغ والوں سے کاٹتا ہے قرآن کے نام پہ۔ وہاں ایک صوبہ ہے “کلنٹن” مجھے تبلیغ والوں نے وہاں بلایا اور کہا: مولانا صاحب! ہم بہت پریشان ہیں اس فتنہ کا علاج کرو۔ میں جب یہاں روتا ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ کوئی مسئلہ ہے بیان کرنے والا؟! اور یہاں کا فتنہ ملائیشیا کے اندر جاکر شروع ہو گیا ہے اور اس کی ترتیب یہی ہے جو میں آپ

کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ قرآن پیش کرتے ہیں اور قرآن کے نام پہ امت کو گمراہ کرتے ہیں۔

اہلِ بدعت سے بھی دو قدم آگے:

خیر دلیل سمجھ میں آ گئی؟ اس نے مجھ سے پوچھا کہ مولانا صاحب! یہ جو آپ کی دلیل ہے ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ یہ دلیل آپ کی نہیں بنتی، بلکہ یہ دلیل ہماری بنتی ہے، کیوں کہ آپ کہتے ہیں قبروں میں زندہ ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس ”علیین“ میں زندہ ہیں، اس لیے یہ دلیل ہماری ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: یہ دلیل آپ کی کیسے بن گئی؟ اب توجہ رکھنا! میں نے کہا: قرآن کیا کہتا ہے؟ آپ قرآن کی آیت پڑھو، مجھے کہنے لگا: ”بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ میں نے کہا: ترجمہ کرو! کہنے لگا: وہ زندہ ہیں اللہ کے پاس۔ تو میں نے کہا: اللہ جہاں ہو گا وہیں شہید ہو گا نا؟ جہاں اللہ ہو گا وہیں شہید ہو گا نا؟ میں نے کہا: مجھے بتاؤ اللہ کہاں پر ہے؟ اب چپ ہو گیا۔ میں نے کہا: بتاؤ کیا اللہ ”علیین“ میں ہے؟ کہا: جی اللہ تو ہر جگہ ہے۔ تو میں نے کہا: تم تو اہل بدعت سے بھی گندے ہو۔ کہنے لگا: کیوں؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں نبی ہر جگہ پہ اور تم کہتے ہو کہ شہید بھی ہر جگہ پہ، تو تم تو ایک قدم اور آگے نکل گئے ہو، تم ان کو کیسے کہتے ہو کہ مشرک ہیں؟! انہیں مشرک بھی کہتے ہو اور خود ان سے بھی آگے نکل گئے ہو... تو قرآن کیا کہ رہا ہے؛ ”علیین“ میں زندہ ہیں یا اللہ کے پاس زندہ ہیں؟ [اللہ کے پاس۔ سامعین] اور اللہ کہاں پر ہے؟ [ہر جگہ۔ سامعین] تو میں نے کہا کہ پھر علیین میں زندہ کیسے ہو گئے؟ یہ تو دلیل تمہاری بھی نہ بنی۔ اب مجھے کہنے لگا: آپ کی بھی نہیں بنی، تو میں نے کہا کہ نہیں! ہماری تو بنی ہے، میں بنا کر دکھاؤں گا، میں اٹھتا نہیں ہوں میں بنا کر دکھاؤں گا کہ یہ ہماری دلیل بنی کیسے ہے، لیکن پہلے تو بتا کہ یہ تیری دلیل کیسے ہے؟ تم کہتے ہو ”علیین“ میں زندہ ہیں

اور قرآن کہتا ہے... [عِنۡدَ رَبِّهِمۡ۔ سامعین] بولتے جاؤ... [اللہ کے پاس زندہ ہیں۔ سامعین] اللہ کہاں پر ہے؟ [ہر جگہ۔ سامعین] تو میں نے کہا کہ تمہارے مطابق تو یہ ہر جگہ پر زندہ ہوئے، تو تم نے "علیین میں زندہ" کہاں سے نکال لیا؟ اب وہ مجھے کہنے لگا: جی آپ بتائیں! میں نے کہا کہ میری تو عادت ہے کہ میں بات پوری کر کے اٹھتا ہوں، درمیان میں نہیں چھوڑتا۔ میں الحمد للہ جب بات شروع کرتا ہوں تو اس پر سوال و جواب جتنے ہوسکتے ہیں وہ سارے حل کرتا ہوں تاکہ کسی کو بعد میں غلط فہمی نہ رہ جائے۔

"عِنۡدَ رَبِّهِمۡ" کا معنی:

میں نے کہا: بات سمجھو! یہ "عِنۡدَ رَبِّهِمۡ" ایک قرآنی اصطلاح ہے، "عِنۡدَ رَبِّهِمۡ" کا ایک خاص مفہوم ہے، یہ سمجھ لو! وہ شخص مجھے کہنے لگا: جی کیا مطلب؟ تو میں نے اس کو ضابطہ سمجھایا، اب آپ بھی سمجھ لیں اور یہ ضابطہ یاد رکھ لیں کہ دنیا میں تمام چیزوں پر حقیقی اختیار اللہ پاک کا ہے۔ دنیا میں تمام چیزوں پر حقیقی اختیار... [اللہ پاک کا ہے۔ سامعین] ہاں البتہ بعض چیزوں پہ ظاہری اختیار بھی اللہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور بسا اوقات ظاہری اختیار اللہ رب العزت اپنے بندوں کو دے دیتے ہیں۔ تو جن چیزوں پر ظاہری اختیار بھی اللہ اپنے پاس رکھیں ان کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور جہاں ظاہری اختیار اللہ تعالیٰ بندوں کو دے دیں تو اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو جاتی ہے۔ اس پر پہلے قرآن کی ایک دو آیات سمجھ لیں، عنوان تو بہت لمبا ہے پہلے ایک دو آیات سمجھ لیں پھر ایک دو مثالیں بھی سمجھ لیں۔

"پھل اللہ کی طرف سے ہیں" کا معنی:

حضرت مریم علیہا السلام جب بند کمرے میں تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام دعوت کے لئے گئے، جب واپس تشریف لائے دروازہ کھولا تو حضرت مریم کے

پاس بغیر موسم کے پھل دیکھے، حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا:

يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا . (سورۃ آل عمران:37)

اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں؟ تو حضرت مریم نے کہا:

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰه .

یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔

جو کھانا حضرت زکریا علیہ السلام روزانہ دیتے وہ کس کی طرف سے تھا؟ [اللہ کی طرف سے۔ سامعین] حضرت مریم نے اس کے بارے میں نہیں کہا "مِنْ عِنْدِ اللّٰه" اور جو آج آیا ہے اسے کہتی ہیں "مِنْ عِنْدِ اللّٰه"، کیوں؟ اس لئے کہ جو کھانا زکریا علیہ السلام لاتے تھے اس میں زکریا علیہ السلام کا ظاہری اختیار تھا اور آج جو کھانا یعنی پھل آیا ہے اس میں کسی انسان کا ظاہری اختیار بھی نہیں تو اس کی نسبت کس کی طرف کی ہے؟ [اللہ کی طرف۔ سامعین] اس لیے فرمایا: "هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰه" یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

"دین اللہ کے ہاں اسلام ہے" کا مطلب:

دوسری آیت سن لیں۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ . (سورۃ ال عمران:19)

یہ آیت آپ نے کئی بار سنی ہے لیکن آج اس کو سمجھو! دین اللہ کے ہاں اسلام ہے، کیا ہمارے ہاں اسلام نہیں ہے؟ ہمارے ہاں دین کیا ہے؟ [اسلام۔ سامعین] تو قرآن یہ کیوں کہتا ہے کہ دین اللہ کے ہاں اسلام ہے؟ ہمارے ہاں بھی تو اسلام ہے۔ اب اس کی وجہ سمجھیں۔ "اللہ کے ہاں اسلام" اس لئے فرمایا کہ اسلام میں حقیقی اختیار بھی اللہ کا ہے، ظاہری اختیار بھی اللہ کا ہے۔ کوئی بندہ اسلامی احکام کو بدلنا چاہے تو بدل نہیں سکتا، اس لئے ہمارے ہاں بھی اسلام ہے لیکن نسبت ہماری

طرف نہیں نسبت اللہ ہی کی طرف ہے۔ اس لئے کہتے ہیں ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ“

یہ گھر رحمٰن کا، یہ عبد الرحمٰن کا:

ایک آدمی نے ایک کنال جگہ خریدی اور جگہ خریدنے کے بعد پندرہ مرلے پر اپنا مکان بنالیا اور پانچ مرلے پر مسجد بنادی۔ یا یوں سمجھو کہ ایک آدمی نے ایک ہزار گز جگہ خریدی- آپ کے ہاں تو گز چلتے ہیں نا؟ [جی۔ سامعین] مرلے تو نہیں چلتے! [نہیں۔ سامعین] ایک ہزار گز جگہ خرید لی ہے، اس میں ایک آدمی ساڑھے سات سو گز پر اپنا بڑا سا مکان بنالیتا ہے اور ڈھائی سو گز پر چھوٹی سی مسجد بنا لیتا ہے اور وقف کر دیتا ہے۔ اس نے مکان بھی بنالیا اور مسجد بھی بنالی۔ اب سمجھیں کہ جگہ خریدی ہے ایک آدمی نے، تعمیر کی ہے ایک آدمی نے اور جب مکمل ہو گئی تو نام اس کے دو ہیں؛ یہ مکان کس کا ہے؟ کہتے ہیں کہ بھائی عبد الرحمن صاحب کا ہے اور یہ کس کا ہے؟ یہ اللہ کا گھر ہے۔ تو جو اس میں ساڑھے سات سو گز کی جگہ تھی وہ گھر کس کا ہے؟ بھائی عبد الرحمٰن کا اور جو ڈھائی سو گز پر ہے وہ گھر کس کا ہے؟ ”رحمٰن“ کا، وہ عبد الرحمٰن کا گھر نہیں ہے وہ رحمٰن کا گھر ہے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ ساڑھے سات سو گز پر جو گھر بنا ہے اس میں حقیقی اختیار تو اللہ کو ہے لیکن ظاہری اختیار اس عبد الرحمٰن کو ہے، چاہے تو بیچ دے، چاہے تو گفٹ کر دے، یہ مرے گا تو اولاد کو وراثت میں تقسیم ہو جائے گا اور جو ڈھائی سو گز کا گھر بنا ہے، یہ شخص نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ کسی کو گفٹ کر سکتا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد وہ اس کی اولاد کو وراثت میں مل سکتا ہے۔ تو یہ ساڑھے سات سو گز والے گھر کو کہتے ہیں عبد الرحمٰن کا گھر ہے اور ڈھائی سو گز والے گھر کو کہتے ہیں کہ یہ ”رحمٰن“ کا گھر ہے اس لئے کہ اس میں ”عبد الرحمٰن“ کے اختیار ختم ہو گئے ہیں۔

بات سمجھ میں آ گئی ہے؟ [جی ہاں۔ سامعین]

تجھے ایک طلاق بھی نہیں ہوئی:

اس پر ایک واقعہ بھی سن لو، یہ تو مثال تھی، مثال اور ہوتی ہے واقعہ اور ہوتا ہے، ایک ہوتی ہے دلیل، ایک ہوتی ہے مثال اور ایک ہوتا ہے واقعہ۔ دلیل سے بات کو ثابت کرتے ہیں یعنی دلیل "مثبِت" ہوتی ہے اور واقعہ "مؤید" ہوتا ہے کہ اس سے موقف کی تائید ہوتی ہے اور مثال "مبیّن" ہوتی ہے کہ اس سے بات کھلتی ہے اور سمجھ آتی ہے۔ دلیل سے اپنے دعوے کو ثابت کرتے ہیں، واقعہ سے اپنے عقیدے کی تائید کرتے ہیں اور مثال سے عقیدے کو واضح کرتے ہیں۔ اب ایک واقعہ بھی سن لو تاکہ تائید ہو۔ خلیفہ ہارون الرشید کی ایک مرتبہ اپنی بیوی سے کسی مسئلہ پر ان بن ہوئی یا پیار میں جوش میں آکر اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں جس کی تو بیوی ہے اور تو کیسی باتیں کرتی ہے؟! ایسا کر کہ آج غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے میری سلطنت کی حدود سے نکل جا! اگر تو نہ نکلی تو تجھے تین طلاق۔ اب وہ کیسے نکلتی؟ خلیفہ ہارون الرشید نے بات کہہ تو دی لیکن بعد میں افسردہ ہوگیا کہ یہ بات میں نے کیا کہہ دی ہے، میری اتنی بڑی سلطنت ہے یہ غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے اس سے کیسے نکل سکتی ہے؟ خلیفہ ہارون الرشید کی بہت بڑی سلطنت تھی، کہتے ہیں کہ جب بغداد سے بادل گزرتا تھا اور برستا نہیں تو خلیفہ ہارون الرشید بادل کو دیکھتا اور اس کو اشارہ کرکے کہتا: "امطری حیث شئتِ فسوف یاتینی خراجك"

اے بادل! تو اگر بغداد میں نہیں برستا تو نہ برس، تو جہاں بھی برسے گا وہاں کی پیداوار میرے پاس ہی آنی ہے۔

اتنی بڑی سلطنت تھی۔ کہا سورج کے غروب ہونے سے پہلے میری سلطنت سے نکل جا، نہ نکلی تو تجھے تین طلاق۔ یہ بات کہہ تو دی، اب بعد میں پریشان ہوگیا۔ اس کی بیوی نے حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پیغام بھیجا جو امام اعظم ابو

حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں اور اس امت کے پہلے چیف جسٹس ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہلوا بھیجا کہ بیٹی! یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اس کے لیے تمہیں خود آنا پڑے گا، میں کسی کے ہاتھ اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اب بادشاہ کی بیگم تھی، اس کا گھر اجڑ رہا تھا تو اس نے آنا ہی تھا۔ اب کہاں پہ آئے؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عصر کے بعد آنا اور مغرب سے تھوڑی دیر پہلے آنا، اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ جب یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے تو اس کو مسجد میں بٹھا دینا۔ چنانچہ مسجد میں اس کے لئے پردہ کی جگہ بنا دی، وہ آئی اور وہاں بیٹھ گئی۔ اب اس نے پیغام بھیجا کہ امام ابو یوسف آئیں اور میں مسئلہ پوچھوں۔ فرمایا کہ تھوڑی دیر تک آتا ہوں، ابھی بیٹھو، جانا نہیں ہے۔ ادھر مغرب کی اذان ہوگئی۔ اب امام ابو یوسف آگئے، فرمایا: بیٹی بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ وہ رو پڑی، اس نے کہا: امام صاحب! اب مسئلہ بتانے کا فائدہ ہی کوئی نہیں، اب گھر تو اجڑ چکا ہے۔ فرمایا: تم مسئلہ بتاؤ روتی کیوں ہو؟ اس نے مسئلہ بتایا کہ آج خلیفہ ہارون الرشید نے یہ بات کہی تھی کہ غروب شمس سے پہلے میری حدود سلطنت سے نکل جاؤ ورنہ تجھے تین طلاق، سورج غروب ہو گیا ہے، تین طلاق ہوگئی ہیں، اب میں کیا بتاؤں مسئلہ؟ امام ابو یوسف فرمانے لگے: تم گھر چلی جاؤ تمہیں تین طلاق تو کجا تمہیں ایک طلاق بھی نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: جی! کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ ایک جگہ مسجد کی ہے اور ایک جگہ مسجد سے باہر کی ہے، مسجد کے باہر باہر جتنی جگہیں ہیں یہ تیرے شوہر کی حدودِ سلطنت میں آتی ہیں اور مسجد تیرے شوہر کی سلطنت میں نہیں آتی، ہم نے غروب شمس سے پہلے پہلے تیرے شوہر کی حدود سلطنت سے تجھے نکال لیا تھا۔ [سبحان اللہ۔ سامعین] تو مسجد میں اختیار بادشاہ کا نہیں چلتا تو میرا اور آپ کا کیا چلنا ہے؟! اس لئے مسجد کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے، بندوں کی طرف نہیں ہوتی۔

”دادا ابو اللہ کے پاس ہیں“ کا مفہوم:

اس لئے اب ایک مثال اور سمجھ لو۔ آپ یہاں سے ”حیدر آباد“ جاتے ہیں اپنے دوست کو ملنے کے لئے اور وہاں جاکر پتا چلا کہ وہ تو کراچی گئے ہیں۔ آپ اس کے بیٹے سے پوچھتے ہیں: بھائی! آپ کے ابو جان کدھر ہیں؟ وہ کہتا ہے: جی کراچی گئے ہیں، ان کی ہائی کورٹ میں پیشی ہے اس کے لئے گئے ہیں۔ پھر آپ ان سے پوچھتے ہیں: آپ کے دادا ابو کدھر ہیں؟ وہ کہتا ہے: وہ تو اللہ میاں کے پاس ہیں۔ اب بتاؤ! جب اس نے کہا کہ اللہ میاں کے پاس ہیں تو اس کا معنی کیا ہے کہ کراچی سے بھی دور چلے گئے ہیں یا حیدر آباد کے اندر ہی ہیں؟ [حیدر آباد کے اندر ہی ہیں۔ سامعین] حیدر آباد میں کہاں پر ہیں؟ [قبرستان میں۔ سامعین] تو دادا ابو فوت ہو گئے ہیں اور قبرستان میں دفن ہو گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ابو جی کہاں پر ہیں؟ [کراچی میں۔ سامعین] اور دادا ابو کہاں پر ہیں؟ [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین] تو بچہ ابو جی کے بارے میں کہتا ہے کہ کراچی میں ہیں اور دادا ابو کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ قبرستان میں ہیں، بلکہ یہ کہتا ہے کہ اللہ میاں کے پاس ہیں۔ آج تک میرے علم میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جو بندہ فوت ہو جائے اور ان کے گھر والوں سے پوچھو کہ تمہارے بزرگ کہاں پر ہیں اور وہ یہ کہیں کہ قبرستان میں ہیں، میں نے آج تک نہیں سنا.... شاید آپ نے سنا ہو... بلکہ کیا کہتے ہیں؟ [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین] تو یہ اللہ میاں کے پاس کیوں کہتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو جان کراچی اپنی مرضی سے آئے ہیں اور اپنی مرضی سے واپس جائیں گے اور دادا ابو نہ مرضی سے قبرستان گئے ہیں نہ مرضی سے وہاں سے واپس آئیں گے، اس لئے کہتے ہیں وہ ”اللہ میاں“ کے پاس ہیں۔ تو جہاں بندے کے ظاہری اختیار ختم ہو جائیں تو نسبت کس کی طرف ہوتی ہے؟ [اللہ میاں کی طرف۔ سامعین]

ظاہری و حقیقی اختیار:

اب بات سمجھیں! دنیا میں ہم زندہ ہیں لیکن اللہ کی مرضی سے... ہاں کچھ کچھ اختیار اپنے بھی ہیں، جب بندہ اپنا سانس بند کرلیتا ہے تو مرتا ہے کہ نہیں؟ [مرجاتا ہے۔ سامعین] اب معلوم ہوا کہ زندہ رہنے کے لئے سانس کا آنا جانا ضروری ہے اور اس پر اللہ نے بندہ کو اختیار دیا ہے، لیتا رہے یا بند کردے، بند کرے گا تو مرجائے گا اور اگر کھلا رکھے گا تو زندہ رہے گا۔ اسی طرح بات سمجھیں کہ دنیا میں آدمی کو رزق ملتا ہے اور آدمی رزق کھاتا ہے، آدمی کماتا بھی ہے کھاتا بھی ہے، دنیا میں کبھی ایسے نہیں ہوتا کہ آدمی کمائے بھی نا اور رزق گھر آجائے اور منہ میں ڈالے بھی نا اور لقمہ حلق میں چلا جائے... ایسے کبھی نہیں ہوتا، ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ چلو اس نے نہیں کمایا لیکن باپ نے تو کمایا ہے، باپ نے نہیں کمایا تو دادے نے تو کمایا ہے، کوئی بندہ تو رزق کماتا ہے نا! ایسا تو نہیں کہ کوئی بھی نہ کمائے اور پھر بھی ہمیں مل جائے۔ ابھی ہم آئے ہیں مغرب کے بعد عشاء سے پہلے تو مولانا نے ہمارا اکرام کیا ہے، اب ٹھیک ہے میں نے نہیں کمایا لیکن کسی نے تو کمایا ہے نا! کوئی بھی نہ کمائے پھر بھی گھر میں آجائے تو دنیا میں ایسے نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں ہمارے پاس حیات بھی ہے اور رزق بھی ہے لیکن اس میں کچھ ہمارے اختیار بھی ہیں لیکن موت کے بعد نبی اور شہید یا کسی بھی انسان کو جو زندگی ملتی ہے اس زندگی میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے، اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے، چونکہ موت کے بعد کی حیات میں ہمارے اختیار ختم ہو جاتے ہیں تو قرآن کہتا ہے:

أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ .

وہ زندہ ہیں، کہاں ؟ ”علیین“ میں؟ [نہیں۔ سامعین] کہاں زندہ ہیں؟ ”عِندَ رَبِّهِمْ“ اس کا معنی کہ موت کے بعد ان کی حیات ایسی ہے کہ جس حیات میں

ان کا کوئی اختیار شامل نہیں ہے، وہ سانس نہیں لیتے پھر بھی زندہ ہیں، وہ نہیں چلتے پھر بھی زندہ ہیں، ان کی نبض اب حرکت نہیں کرتی پھر بھی زندہ ہیں اور ان کو وہاں رزق ملتا ہے، بغیر کمائے ملتا ہے اس لئے ان کا رزق بھی اللہ کے پاس ہے اور ان کی حیات بھی اللہ کے پاس ہے۔ اب بتاؤ کہ یہ آیت ہماری دلیل بنتی ہے کہ نہیں بنتی؟ [بنتی ہے۔ سامعین] اور انہوں (منکرین حیات) نے کیا سمجھایا تھا کہ یہ کہتے ہیں قبروں میں زندہ ہیں اور ہم کہتے ہیں اللہ کے پاس زندہ ہیں۔

اب توجہ رکھنا! جب ہم کہتے ہیں دادا ابو کہاں پر ہیں تو جواب کیا ہوتا ہے؟ بولو... [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین] قرآن کیا کہتا ہے؟ ”أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ“ بولتے جاؤ... (أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ۔ سامعین] ہم دنیا میں بھی کہتے ہیں کہ دادا ابو ”اللہ میاں“ کے پاس ہیں اور قرآن بھی کہتا ہے شہداء زندہ ہیں تو ”اللہ میاں“ کے پاس ہیں۔ اللہ میاں کے پاس ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کا حیات میں کوئی اختیار ہی نہیں ہے، ان کی حیات اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے۔ اب بتاؤ! دلیل ہماری ہے یا ان کی ہے؟ [ہماری ہے۔ سامعین] اس لئے میں نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آپ کے عرف کی مثال پیش کی ہے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو جائے کہ دنیا میں جب بھی کوئی پوچھے کہ تمہارے ابو کہاں پر ہیں؟

☼ اگر ابو فوت ہو گئے ہوں تو کیا کہتے ہیں؟ [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین]

بولتے جاؤ... [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین]

☼ امی فوت ہو جائیں... کہاں پر ہیں؟ [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین]

☼ دادی فوت ہو جائیں... کہاں پر ہیں؟ [اللہ میاں کے پاس۔ سامعین]

اور قرآن کہتا ہے ”أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ“ اللہ میاں کے پاس ہیں، تو جو قرآن کہتا ہے وہی ہم کہتے ہیں، جو ہم کہتے ہیں وہی قرآن کہتا ہے، توجہ رکھنا! اس کا

معنی یہ نہیں ہے کہ "علیین" میں ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں اسی قبر میں ہیں لیکن ان کی حیات میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے، بغیر ان کے اختیارات کے اللہ وہاں پہ حیات دیتے ہیں۔

قرآن کی تفسیر علماء سے پڑھیں:

میں نے قرآن کریم کے صرف دو مقام سمجھائے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ قرآن پڑھنا بھی ضروری ہے لیکن پڑھنے سے زیادہ قرآن سمجھنا ضروری ہے۔ اب یہ دونوں آیتیں سمجھ میں آئیں؟ [جی ہاں۔ سامعین] آپ اس طرح پورا قرآن پڑھتے جائیں اور کھولتے جائیں تو بتائیں کہ کوئی گنجائش رہ جاتی ہے اہل باطل کی؟ لیکن قصور ہمارا ہے کہ ہم پڑھتے نہیں ہیں۔ مولانا عبد القیوم قاسمی صاحب بیٹھے ہیں، مدرسہ معارف اسلامیہ کے نام سے بلدیہ ٹاؤن میں ان کا مدرسہ ہے، یہ دورہ تفسیر پڑھائیں گے لیکن آپ ہیں کہ نہیں جائیں گے۔ وجہ کہ یہ تفسیر صحیح کرتے ہیں، آپ تو وہاں جائیں گے جہاں غلط ہوتی ہے، شہرت تو ان کی ہوتی ہے جو معمول سے ہٹ کر بات کرے اور جو معمول کی بات کرتا ہے اس کی شہرت نہیں ہوتی، چونکہ وہ معمول سے ہٹ کر بات کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ یار! ذرا ادھر دیکھتے ہیں... اور اپنے حضرات سے چونکہ پڑھا نہیں ہوتا اس لیے غیروں کے بہکاوے میں آکر پھسل جاتے ہیں۔ اپنوں سے پڑھو تو سہی پھر آپ دیکھنا کہ یہ حضرات کیا کہتے ہیں، پھر ان شاء اللہ آپ کبھی بھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ تو میں نے بات سمجھائی تھی "الحمد للہ رب العلمین"، عنوان ذہن میں ہے نا؟ یہ آیت پڑھتے سارے ہیں لیکن سمجھتے کوئی کوئی ہیں، اس آیت کا مطلب کیا ہے کہ اللہ رب العزت تمام جہانوں کے رب ہیں، یہ بات میں نے اس لئے شروع کی ہے کہ اگر ہمارا ربیع الاول میں آنا ہوا۔ ان شاء اللہ۔ تو ہمارے جلسے کا عنوان ہو گا "ہادی عالم"، ہم اس عنوان میں اسی آیت کو پیش کریں

گے، پھر آپ کو "الحمد للہ رب العلمین" سمجھائیں گے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تاکہ آپ کا ذہن بنے کہ قرآن کہتا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی عالم کیسے ہیں؟ ہر عالَم کی ہدایت پیغمبر کے ذریعے کیسے ہے؟ ہمیں یہ بات سمجھ میں آئے۔ اللہ کرے ہمیں قرآن پڑھنا بھی آجائے اور ہمیں قرآن سمجھنا بھی آجائے، قرآن پڑھنا بھی چاہیے اور قرآن سمجھنا بھی چاہیے۔ میں ایک بات کا اضافہ کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

تعلیم وتزکیہ کی ضرورت:

تین باتوں کا خیال کرلیں۔

1: قرآن پڑھنا ہے۔

2: قرآن سمجھنا ہے۔

3: قرآن پر عمل بھی کرنا ہے۔

قرآن پڑھنے کے لئے آپ کو جانا پڑے گا قاری صاحب کی درس گاہ میں اور قرآن سمجھنے کے لئے آپ کو جانا پڑے گا کسی مفسِر کی درس گاہ میں اور قرآن پر عمل کرنے کے لئے آپ کو جانا پڑے گا کسی شیخ کی خانقاہ میں۔ ہم کہتے ہیں درس گاہ بھی ضروری ہے اور خانقاہ بھی ضروری ہے۔ یہ ذہن بنالیں، بعض لوگ درس گاہ تو بنا لیتے ہیں خانقاہ سے بھاگتے ہیں اور بعض لوگ خانقاہ بنالیتے ہیں لیکن درس گاہوں سے بھاگتے ہیں، ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارے پاس علم کی درسگاہ بھی ہے، ہمارے پاس تصوف کی خانقاہ بھی ہے، ہم درس گاہ میں اپنے دلائل بیان کرتے ہیں اور خانقاہ میں اپنے اکابر کا احسان وسلوک بیان کرتے ہیں، یہ دونوں چیزیں ملا کر چلو... ان شاءاللہ امت میں بہت سارے فتنے مٹ جائیں گے اور اس میں اعتدال کے ساتھ کام کرنا ازحد ضروری ہے۔

تحریک و تزکیہ ساتھ ساتھ:

میں یہ بات بار بار کہتا ہوں کہ ہمارے ہاں جہاں دلائل اور نظریات کی تحریک چلتی ہے تو وہ خانقاہ والوں کو کوستے رہتے ہیں اور جہاں تزکیہ و تصوف کی بات چلتی ہے تو وہ تحریکات والوں کو کوستے رہتے ہیں... ہم کہتے ہیں کہ دونوں کو اکٹھا کر دو، نظریہ کی تحریک بھی ہو اور اصلاحِ نفس کا تزکیہ بھی ہو، یہ تحریک اور تزکیہ اکٹھے ہو جائیں گے تو اعتراضات کے سارے دروازے ہی بند ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔ تو یہ چیزیں ملا کر چلیں یا الگ الگ چلیں؟ [ملا کر چلیں۔ سامعین] ہمارے اکابر کا ذوق تھا کہ اکابر ان دونوں کو ملا کر چلتے تھے۔ تو ہمارے یہاں اس تقویٰ مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر دونوں کام ہوتے ہیں، خانقاہی بھی ہوتا ہے اور ساتھ تحریک کا کام بھی ہوتا ہے لیکن تحریک ہماری "تشدد" والی نہیں ہے، "تسدد" والی ہے، "تعصب" والی نہیں ہے، "تصلب" والی ہے۔ اب یہ جملے سمجھنے کے لئے کئی مجلسیں چاہییں۔ میں نے تو کئی بار کہا کہ میرا بھی دل کرتا ہے کہ ہر مہینے میں ایک بیان یہاں پر ہو جائے، یہ لفظ آپ یاد کر لیں کہ تحریکات میں "تسدد" ہونا چاہیے، "تشدد" نہیں ہونا چاہیے، "تصلب" ہونا چاہیے، "تعصب" نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تصلب اور تعصب میں کیا فرق ہے؟ تسدد و تشدد میں کیا فرق ہے؟ یہ ایک گھنٹے کا مضمون ہے، اب دو منٹ میں بندہ سمجھا نہیں سکتا۔ اس کو ذہن میں رکھو! ان شاء اللہ آپ بھی آتے رہے اور میں بھی آتا رہا تو ہم یہ سارے مضامین بیان کریں گے ان شاء اللہ۔ اللہ پاک ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین